ایران کی اسلامی تحریکِ رستاخیز

ایران کی حالیہ تحریکِ رستاخیز تاریخ کا ایک توجہ کش باب ہے۔

اِس تحریک کی قیادت آیت اللہ خمینی ملک سے صدہا میل دُور بیٹھ کر کر رہے ہیں، اور علامہ خمینی اور اُن کے ہم فکر علماء نے بادشاہی استبداد کے خلاف اُٹھنے والے عوامی ردِّ عمل کے سیلاب کو اسلامی انقلاب کے رُخ پر ڈال کر بڑا اہم کارنامہ انجام دیا ہے۔

ایران جس انتہائی شدید مدّوجزر سے گزر رہا ہے، اس کے موج و گرداب کا تماشا ہم قریب سے نہیں کر سکتے۔ اِس وجہ سے ہلکی سی یہ تشویش باقی رہتی ہے کہ ہمسایہ سوشلسٹ مملکت جو عالمی شکارگاہ میں مشرق و مغرب کی کئی قوموں کو بستۂ فتراک کر چکی ہے، وہ ایران کے بحرانی حالات سے ناجائز فائدہ نہ اُٹھا لے جائے۔ سُرخ شکاریوں کا طریقِ واردات یہ ہے کہ وہ ہر قوم کے اندر سے "ہانکا کرنے والے" ایجنٹ تلاش کرتی ہے، پھر اُن کی پرورش کرتی ہے، انہیں انقلابی سازش و تخریب کا فن سکھاتی ہے، اُن کو کام کرنے کی "لائسنز" دیتی ہے، اور انہی کے ذریعے کسی قوم کے قلعے میں نقب زنی کرا کے اُس میں آگے آگے مقامی سپاہیانِ انقلاب کو داخل کراتی ہے، اور پیچھے پیچھے باہر سے فرستادہ قوتوں کو پہنچا دیتی ہے۔ پھر ایک ہی ملک اور ایک ہی دین کے وابستگان کو لڑا دیتی ہے اور جب خون کی ندیاں بہ جاتی ہیں اور لاشوں کے ڈھیر لگ جاتے ہیں تو اعلان ہوتا ہے کہ عوام نے سُرخ انقلاب برپا کر دیا۔ بحرانوں کی دھواں دھاری میں اختلاف کے رخنوں سے دوسرے معاشروں میں داخل ہونے والے اس جدید سامراج کے متعلق اُن تجربات کی وجہ سے تشویش ہوتی ہے جو حال ہی میں بعض مُسلم علاقوں میں پیش آ چکے ہیں۔

لیکن خمینی اور اُن کے ہم مسلک علماء نے ہجومات عوام کی سیلاب جوش و خروش پر بڑے ہوش سے قابو حاصل کر لیا ہے۔ اور حیرت ہے کہ پہلے سے حالات کو انضباط میں رکھنے والی کسی منظم جماعت کے نہ ہونے ہوئے اتنا انضباط کیسے ہے کہ خمینی کا اشارہ ہوتا ہے تو ہڑتال یا مظاہرہ ہو جاتا ہے، اُس کی زبان سے ایک کلمہ صادر ہوتا ہے تو مظاہرین قدم روک لیتے ہیں اور پُرامن ہو جاتے ہیں۔ وہ جس چیز کو نامنظور کر دیتا ہے، اسلامی تحریک رستاخیز کا ہر فرد اُسے مسترد کر دیتا ہے، وہ جسے مطلوب قرار دیتا ہے، اُسے سارا ایران پسند کرنے لگتا ہے۔ ایران کی تاریخ میں شاید اتنی بڑی تحریک کا، اور ایسی مؤثر قیادت کا پہلا موقع آیا ہے۔

تحریک کے سیلابی ظہور اور اُس کے ایسے انضباط اور اُس کی مستحکم قیادت کو دیکھ کر ہزار اندیشوں کے باوجود کہا جاسکتا ہے کہ اب شاید بادشاہت کا سفینہ دوبارہ سطح پر اُبھر نہ سکے گا۔

عوام کے ردِّ عمل کی مثبت شکل شہنشاہیت کے مظالم، اس کی مغرب پرستی، مے و قمار اور رقص و سرود اور عریانی و فحاشی کے لیے اس کی مساعی فروغ، دَورِ آتش پرستی کے قدیم ایران اور سائرس کے لیے اس کی عقیدت، اُس کی اسرائیل نوازی اور امریکہ سے نیازمندانہ وابستگی کی وجہ سے ردِّ عمل کا جولا و اعوام میں پکتا رہا تھا، اُسے سامنے آنے سے پہلے بھی اور اس کے مظاہراتی سطح پر آنے کے بعد بھی کوئی کج فکر قوت موقع پاتی تو کسی بھی طرف لے جاسکتی تھی۔

خمینی اور اُن کے ہم مسلک علماء کا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ابتداء ہی سے اس گرم گرم لاوے کے تیز و تند ریلے کا رُخ اسلام کے منشاء کے مطابق موڑ دیا۔

خمینی کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے شیعی دُنیا کو ایک ایسا طرزِ فکر دیا جس سے ہمارے شیعہ بھائیوں کی تاریخ اب تک خالی رہی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ شیعی نقطۂ نظر یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا قیام صرف امامِ منتظر کے ہاتھوں ہوتا ہے۔ لہٰذا بیچ کے دور میں سیاسی لحاظ سے اُن کی کوئی ذمہ داریاں نہیں ہیں۔ جو بھی حکومت جس بھی شکل میں اور جن بھی لوگوں کے ذریعے چلتی رہے، انہیں گوارا ہے[1]۔

---

[1] یہی وجہ ہے کہ شیعہ حضرات کے ہاں بڑی آسانی سے حکومت اور انقلاب کے غیر اسلامی نظریات کو جگہ ملتی رہی ہے۔ ان کے ہاں چونکہ سیاسی و اجتماعی لحاظ سے ذہنی خلا ہے، اس بنا پر (باقی بر صفحہ آئندہ)

خمینی نے ایرانی قوم کو یہ تلقین کی کہ یہ ٹھیک ہے کہ امامِ منتظر کے ہاتھوں سے مکمل طور پر، اور ساری دنیا میں اسلامی نظام قائم ہوگا، مگر سوال یہ ہے کہ اُن کے زمانۂ غیبوبیت میں کیا ہمیں غیر اسلامی طرزِ زندگی اور نظامِ سیاست پر قانع اور مطمئن رہنا چاہیے، یا صحیح یہ ہے کہ امامِ منتظر کی آمد سے قبل کے دور میں جہاں بھی ہم موجود ہیں، وہاں ہم خدا کے دین، اس کے قانون اور اس کی شریعت کو نافذ کرنے کی سعی کریں۔ اس سوال کے جواب میں آیت اللہ خمینی نے ایرانی قوم کو اپنے صحیح نقطۂ نظر سے پوری طرح متاثر کر لیا ہے کہ بادشاہت کو ہٹا کر ہمیں جمہوریۂ اسلامیہ کو قائم کر کے اس میں شرائع الٰہیہ کو نافذ کرنا چاہیے۔

تحریک اگر محض منفی نوعیت کی رہتی، یعنی بادشاہت اور اس کے مظالم سے نجات حاصل کرنا ہے تو مثبت دعوت کو لے کر نہ چلنے کو نسی قوت بیچ میں کود جاتی اور عوام نے لاشوں کی جو فصل کاشت کر کے اپنے خون سے اس کی آبیاری کی ہے، اُسے کون کاٹ لے جاتا۔ اور سارا حاصل کھتوں میں ڈال لیتا۔ خمینی نے تحریک کو منفیت کی راہ پر پڑنے سے بچا کر مثبت قوت میں بدل دیا ہے۔

یہ سیاسی نقطۂ نظر شیعی تاریخ میں علامہ خمینی کے ذریعے پہلی بار رُونما ہوا ہے اور پہلی بار اُسے ایران کی شیعہ اکثریت نے قبول کر لیا ہے۔

ایرانی تحریک اور اتحادِ اسلامی دوسری عظیم خدمت علامہ آیت اللہ خمینی اور ان کے ہم مسلک علماء کی یہ ہے کہ انہوں نے شیعہ سنی اختلافات سے بالاتر سطح پر سوچنے کی تعلیم دی ہے۔ وہ پورے عالمِ اسلام کو ایک وحدت کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے اپنا دستِ محبت تمام مسلمان ممالک کی طرف بڑھایا ہے تاکہ ہر جگہ کی دینی تحریکوں کا تعاون اُن کو حاصل ہو۔ اسی مقصد سے انہوں نے پاکستان میں مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی خدمت میں اپنے خاص نمائندوں کے ذریعے پیغام بھجوایا ہے۔

شیعی تاریخ میں یہ بھی پہلا موقع ہے کہ علامہ خمینی نے خلافت راشدہ کی اصطلاح رائج کی ہے،

(بقیہ اشارات صفحہ سابقہ) اس خلاء کو طرح طرح کے فکری، سیاسی اور معاشی نظام بھرتے رہتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ شیعہ حضرات میں غیر شعوری طور پر یہ میلان رہا ہے کہ دوسرے لوگ اسلامی حکومت کے قیام کی جو کوششیں کریں، وہ چونکہ امامِ منتظر کی رہنمائی سے محروم ہیں، لہٰذا وہ باطل ہیں، اور ایسی کوششوں کی اوّل تو تخریب کرنی چاہیے، ورنہ کم سے کم ان میں دلچسپی لینا اور تعاون کرنا درست نہیں ہے۔

اڈا اسی طرز پہ کام کرنے کا اعلان کیا ہے۔ شیعی لٹریچر میں لفظ خلافت اور خلیفہ کیلئے مخالفانہ ذہنیت پائی جاتی ہے۔ اس اصطلاح کو استعمال کرکے علامہ خمینی نے وہ پل بنا دیا ہے جو اہل سنت اور اہل تشیع کو آپس میں ملانے کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

اسی سلسلہ میں یہ حقیقت بھی زیر نظر لانے کی ہے کہ خمینی اور آن کی اسلامی تحریک نے اسرائیل سے تعلقات رکھنے، اُسے ایرانی تیل فراہم کرنے اور یہودیوں کو ایران میں رکھنے سے انکار کر دیا ہے۔

آج علامہ خمینی اور اِن کی تحریک ایران کی طرف سے ایران کو بالکل پاکستان کی طرح "اسلامی جمہوریہ" بنانے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور لوگ اس قسم کے بینر اور تختیاں اُٹھائے پھرتے ہیں جن پہ "اسلامی جمہوریہ ایران" لکھا ہوا ہے۔

خدا کرے کہ علامہ خمینی کی قیادت میں اہلِ ایران کی اسلامی اُمنگیں اور آرزوئیں پوری ہوں اور پاکستان اور ایران دونوں اسلامی جمہوریہ بن کر اور شریعت اسلامیہ کو نافذ کرتے ہوئے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے پیش قدمی کریں۔ اگر ایران اور پاکستان میں اسلامی حکومتوں کا قیام عمل میں آگیا تو پھر پورے عالم اسلام میں یہی رنگ اُبھرتا چلا جائے گا۔

مغربی ردِ عمل اہلِ مغرب آج کل بڑے پریشان ہیں۔ وہ یہ دیکھ رہے ہیں کہ مشرق وسطیٰ، ترکی، ایران، پاکستان اور انڈونیشیا میں جگہ جگہ اسلامی انقلابی تحریکیں نشوونما پا رہی ہیں اور وہ اتنی زور دار ہیں کہ اُن کے سامنے کسی ایسی بادشاہت یا آمریت کا ہزار جور و تعدی کے باوجود ٹھہرنا ممکن نہیں جو مغرب کے لیے ذریعۂ حصولِ مفاد ہوں۔

وہ ان تحریکوں کو اندھی جارحانہ اسلامی تحریکات (MILLTANT ISLAMIC MOVEMENTS) قرار دے کر گویا ان کے غیر جمہوری ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں، اور ان سے سخت ناراض ہیں۔ اور بے حد تشویش میں مبتلا ہیں۔ اُن کے دیکھتے دیکھتے ایک ملک میں بھٹو کی مضبوط کرسی اُلٹ گئی، اور دوسرے ملک میں بادشاہت کا قصر اُجڑ گیا۔ مغربی دانشور جو صحافت پہ قابض ہیں، وہ بڑے دُکھ اس بات پہ محسوس کرتے ہیں کہ یہ تحریکیں اسلامی کیوں ہیں؟ سیکولر کیوں نہیں؟ اور مغرب پرست کیوں نہیں؟ اور پھر بھنّا کر قیادت کرنے والے علماء کو ملاّ کہہ کر ہدفِ تشنیع بناتے ہیں (واضح رہے کہ ملاّ کے لفظ کو کریہہ معنی مغربی امپریلزٹ توتوں نے اس وقت دیے تھے۔ جب اُن کی سامراجی پیش قدمی میں جگہ جگہ حائل ہونے والی

قوت علماء کی تھی)۔

اس طرح کا جو پروپیگنڈا ہو رہا ہے اُس کے پیچھے صلیبی جنگوں کے دَور کی مسلم دشمن ذہنیت کارفرما ہے۔ صلیبی جنگوں کا عسکری دَور گذر گیا۔ اب فکری اور نظری اور سفارتی اور سازشی طریقوں سے نئی صلیبی جنگیں جاری ہیں۔ دلچسپ یہ کہ صلیبی جنگیں مسیحی عصبیت کی برپا کردہ تھیں۔ اور آج حال یہ ہے کہ مسیحیت نہ صرف اجتماعی نظاموں سے ہر جگہ خارج ہو چکی ہے۔ بلکہ عیسائی افراد بھی اب ہر معاشرے میں قلیل التعداد رہ گئے ہیں۔ وہ بھی ایسے کہ ہفتے میں محض ایک بار گرجاؤں میں جانے والے ان میں قلیل تر ہیں۔ نظام الحاد کے چل رہے ہیں اور افراد عقیدہ و اخلاق کے لحاظ سے آزاد ہو چکے ہیں مگر ذہنیت پھر بھی صلیبی جنگوں کی باقی ہے۔ دَورِ تعقل میں یہ لامعقلیت کتنی حیرتناک ہے۔

عسکری شکل میں بھی یہ صلیبی جنگیں اور قبرص اور اریٹریا اور جنوبی فلپائن میں آج بھی لڑی جا رہی ہیں۔

اسلامی تحریکوں کے خلاف اسرائیلی ریاست کا قیام اور پاکستان کے مشرقی حصّے کا انہدام بھی انہی جدید صلیبی جنگوں کی فتوحات میں سے ہے۔ بار بار پروپیگنڈے کے طوفان اُٹھانا، اور اُن کو آمریتوں اور فسطائیتوں کے ذریعے پٹوانا اور رلپوانا سامراجی قوتوں (خواہ وہ سرمایہ دار ہوں یا اشتراکی) کا وطیرہ رہا ہے۔ لیکن کاش کہ وہ ایک بات پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں۔ وہ بات یہ ہے کہ مسلمان کسی بھی ملک میں ہوں نہ تو اُن کے اندر اپنے دینی و تہذیبی تشخص کے احساس کو ختم کیا جا سکتا ہے اور نہ انہیں حرکت میں لانے والی احیائی تحریکات سے محروم کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں ترکی کا تجربہ خاصا سبق آموز ہے جہاں کمالی دَور میں اسلامی رجحانات کے دبانے کے لیے جبر اور مکر دونوں ذرائع سے ایک لمبے دور میں کام لیا گیا۔ مگر آج دیکھ لیجیے کہ مصنوعی طور پر مسلط کردہ سیکولر رجحان کے مقابلے میں مسلمانوں کا اسلامی رجحان پھر زور پہ آ گیا ہے۔ مصر کے تجربے کا تجزیہ کیجیے۔ صدر ناصر نے کس بُری طرح اخوان المسلمون کو کچلا۔ شاید جدید دَور میں ہمہ گیر اور حد سے بڑھے ہوئے استبداد کی مثال نہیں ملتی۔ لیکن آخر نتیجہ کیا نکلا۔ صدر ناصر ایک ناکامی کا جرعہ نوش کر کے دُنیا سے بے بسی کے ساتھ رخصت ہوا اور اس کے بعد کے دَور میں اخوان کا عوام میں نفوذ پہلے سے کئی گنا بڑھ گیا۔ پاکستان میں کیا ہوا؟ مسلم لیگ کے سنگل پارٹی رُول کے بعد عوام کے اسلامی رجحانات کے خلاف غلام محمد اور سکندر مرزا نے محلاتی سازشوں کا چکر چلایا! پھر ایوبی آمریت کا دس سالہ دَور گذرا،

پھر یحییٰ خاں نے سیکولرازم کی حفاظت کی اور پھر بھٹو صاحب اسلامی سوشلزم کے جھنڈے تلے پورے پورے فسطائی ہتھکنڈوں سے دل کھول کر کام لیتے رہے۔ اس ساری عوام کشی اور جمہوریت سوزی اور مخالفتِ اسلام کا نتیجہ کیا نکلا؟ نتیجہ نکلا اسلامی تحریک ۱۹۷۷ء کی صورت میں جس نے قصرِ وزارت کو ہلا کر رکھ دیا۔

کیا مغرب والے جنہوں نے جارح یہودی ریاست (MILLTANT ISRAIL) کو مشرقِ وسطیٰ کے مسلمان ملکوں کے سینوں پر مونگ دلنے کے لیے قائم کیا ہے اور جو فلسطینیوں کی تحریک اور عرب ملکوں کے شدید ردِ عمل کو برسوں سے بھگت رہے ہیں، کیا متذکرہ واقعات سے یہ سبق نہیں لے سکتے کہ وہ مسلمانوں کو اپنے عقیدوں اور امنگوں کے مطابق اپنے ممالک میں تحریکیں چلانے دیں اور اپنی پسند کا نظام قائم کرنے دیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ اپنی پسند کی سیکولر اور فسطائی قوتوں کی حمایت میں مذموم ضد سے کام لینے کے بجائے براہِ راست مسلم اقوام کے حقیقی جذبات کو سمجھیں اور اپنی پالیسیوں کا رُخ اُن سے ہم آہنگ رکھیں۔

ورنہ بار بار ہیجان میں مبتلا ہونے اور مسلمانوں کے معاملات میں رخنہ اندازی کرنے سے نہ صرف خود اُن کی دینی قوتوں کا نقصان ہوتا رہے گا، بلکہ اُن کی صلیبی ذہنیت کے جواب میں مسلمانوں میں بھی جذباتی شدت پیدا ہو جائے گی۔ اور آئندہ اچھے سفارتی اور تجارتی تعلقات کو چلانا مشکل ہو جائے گا۔

آج جب کہ مسلمانوں کی تاریخ میں پندرھویں صدی کے دَور کا آغاز ہونے والا ہے۔ حالات بڑے اُمید افزا ہیں۔ آج عالمِ اسلام میں اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لیے متعدد تحریکیں زور شور سے کام کر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آنے والی صدی کو غلبۂ اسلام کی صدی بنا دے! آمین!